الاستفتاء

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

بیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا متبادل حل

سوال :

نذیر احمد ندیم گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور سے لکھتے ہیں :

جناب مولانا صاحب ، السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ !

کیا زندگی کا بیمہ کرانا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز ؟

—— میرا ایک دوست اور کلاس فیلو سٹیٹ لائف میں کام کرتا ہے اور وہ اکثر مجھ سے بیمہ کرانے کے لیے اصرار کرتا رہتا ہے ، اس نے مجھے چند علماء کے فتوے بھی دکھائے ہیں۔ لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ برائے مہربانی کتاب وسنت کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں جزاکم اللہ!

جواب :

سود کی طرح بیمہ بھی موجودہ دور کی لعنتوں میں سے ایک لعنت ہے۔ جو پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ ملک کے طول وعرض میں بے شمار کمپنیاں بیمہ کی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ پہلے تو یہ کمپنیاں صرف زندگی اور املاک کا بیمہ کرتی تھیں۔ اب انہوں نے اپنے کاروبار کو چمکانے کے لیے نئے گوشے بھی تلاش کر لیے ہیں۔ مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لوگ بیمہ کے جواز کے لیے بعض علماء کے فتوے بھی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ اور جاہل عوام کو ہر طرح سے پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بیمہ اور اس کے اجزائے ترکیبی پر شریعت مطہرہ کی روشنی میں غور کیا جائے۔

مہم کا آغاز :- بیمے کی ابتداء خالص انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت شروع ہوئی تھی۔ تقریباً ۱۴۰۰ء میں اٹلی کے تاجروں میں سے ایک تاجر کا جہاز سمندر میں غرق ہو گیا ، جس کی وجہ سے وہ انتہائی تنگ دست ہو گیا۔ دوسرے تاجروں نے اس کے ساتھ تعاون کیا اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

چونکہ ایسے حوادث کا آئندہ بھی امکان تھا۔ لہٰذا ان تاجروں نے آپس میں ایک تجویز منظور کی کہ آئندہ تمام تاجر ہر ماہ یا ہر سال، جیسی صورت ہو، ایک متعین رقم ادا کر دیا کریں تاکہ اس فنڈ سے اس قسم کے حوادث و خطرات کے نقصان کا کسی حد تک تدارک کیا جا سکے۔ اس قسم کے ادارہ کا نام انشورنس کمپنی (IN SURECE COMPANY) تجویز ہوا۔ انگریزی زبان میں انشورنس "یقین دہانی" کو کہتے ہیں۔ بیمہ اسی انگریزی لفظ انشورنس کا ترجمہ ہے۔ گویا بیمہ کمپنی ایک ایسا ادارہ تھا جو آفات و حوادث کے اوقات میں نقصان کی تلافی کی یقین دہانی کراتا تھا۔

بیمہ کی موجودہ شکل :

کچھ مدت کے تجربہ سے ادارہ مذکور کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ جتنی رقوم اس کے فنڈ میں جمع ہوتی ہیں۔ حوادث میں نقصان اس سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا خالص امداد باہمی کی بنیاد پر قائم ہونے والا یہ ادارہ آہستہ آہستہ کاروباری شکل اختیار کرنے لگا۔ اور اس نے ایک طرف تو اپنے ہم پیشہ تاجروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ ترغیب دینا شروع کر دی کہ وہ اس میں حصہ لیں اور دوسری طرف اس کے دائرہ کار کو وسیع تر کر دیا۔ ابتداءً بیمہ صرف املاک (مثلاً بس، ٹرک، عمارت، جہاز وغیرہ) کا ہوتا تھا۔ بعد ازاں انسانی زندگی کا بھی بیمہ ہونے لگا۔ اور آج کل تو انسان کے ایک ایک عضو کا بیمہ، جانوروں کا بیمہ اور بعض ذمہ داریوں (مثلاً بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ) کا بھی بیمہ ہونے لگا ہے۔

بیشتر ممالک میں ملک بھر کے اطراف میں پھیلی ہوئی ان بیمہ کمپنیوں کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات تو انسان کو مجبوراً —— یعنی حکومت کے قانون کے تحت —— اپنی زندگی اور املاک کا بیمہ کرانا پڑتا ہے۔ ۱۹۷۲ء سے پہلے پاکستان میں یہ کمپنیاں نجی طور پر بیمے کا کاروبار کرتی تھیں لیکن ۱۹۷۲ء میں حکومت نے ان کمپنیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور سب کمپنیوں کو مدغم کر کے "سٹیٹ لائف" کے نام سے اس کاروبار کو مزید فروغ بخشا آج کل ہر سرکاری و نیم سرکاری ملازم، نیز ہر صنعتی اور تجارتی ادارے کے ملازم کا بیمہ زندگی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس ملازم کی موت یا حادثے کی صورت میں مقررہ رقم اس کے نامزد وارث یا ورثاء کو مل جاتی ہے۔ اور یہ رقم حکومت یا متعلقہ ادارہ ادا کرتا ہے۔

بیمے کی شرائط : چوں کہ بیمہ کی تمام اقسام میں سے معروف تر اور مقبول تر شکل زندگی کا

بیمہ ہے، لہٰذا ہم اسی کے متعلق کچھ تفصیلات پیش کریں گے۔

ایک شخص اگر اپنی زندگی کا بیمہ کرانا چاہے تو اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی کا ڈاک[ٹر] اس شخص کی صحت کا معائنہ کر کے اندازہ لگاتا ہے کہ یہ شخص اتنی مدت مثلاً بیس سال تک زند[ہ] رہنے کے قابل ہے۔ اب بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا ہے۔ بیمہ دار جتن[ی] رقم کا بیمہ کرانا چاہتا ہے، اسے سالانہ اقساط میں تقسیم کر کے بالاقساط کمپنی مذکور کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے، شرائط بالعموم یہ ہوتی ہیں :

(۱) اگر بیمہ دار اپنی مدت مقررہ تک زندہ رہے اور اقساط بھی حسب دستور ادا کرتا رہے تو اس مدت کے اختتام پر اس کو اس کی تمام جمع شدہ رقم معہ مقررہ شرح سے سود۔ جسے بیمہ کمپنی کی اصطلاح میں ایک معصوم سا نام "بونس" (فالتو) دیا گیا ہے۔ ادا کر دی جاتی ہے بیمہ دار کی اصل جمع شدہ رقم یا اصل زر کا نام کمپنی کی اصطلاح میں "پریمیم" ہے اور سود کا نام "بونس"۔ او[ر] اس فالتو رقم یعنی "سود" کو بونس غالباً اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمان سُود کے نام سے بدک نہ جائیں۔

(۲) اگر دورانِ مدت بیمہ، بیمہ دار طبعی طور پر یا کسی حادثے کے نتیجے میں مر جاتا ہے تو اس کی اب تک کی جمع شدہ رقم مع سود، اس کے وارث یا ورثاء کو ـــــ جنہیں وہ خود معاہدہ کے دوران نامزد کرتا ہے ـــــ مل جاتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ادائیگی اقساط کی مدت جتنی کم ہوگی یا بالفاظ دیگر بیمہ دار جتنی جلدی مرتا ہے شرح سود اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۳) اگر بیمہ دار کسی خاص مجبوری کی وجہ سے یا بالارادہ (یعنی گناہ سمجھ کر) اقساط دینا چھوڑ دے تو پہلی ادا کردہ اقساط بحق بیمہ کمپنی ضبط متصور ہوتی ہیں۔ اِلّا یہ کہ پالیسی پھر سے شروع کر دی جائے اور غیر ادا شدہ اقساط یکشت ادا کر دی جائیں۔ کچھ مدت پہلے تک تو پالیسی چھوڑنے کی صورت میں ادا شدہ رقم کی واپسی بہرحال ناممکن تھی۔ مگر آج کل اس شق میں یہ ترمیم کر دی گئی ہے کہ پالیسی سرینڈر یا ختم کرانے کی صورت میں کل ادا شدہ رقم کا ۶۰% رقم واپس مل جاتی ہے۔

املاک یا بیمے کی دوسری اقسام میں بھی اس سے ملتی جلتی شرائط طے پائی ہیں۔

بیمہ پالیسی کا شرعی نقطہ نظر سے تجزیہ

اب اگر بیمہ پالیسی کا شرعی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا

پر حرام قرار پاتی ہے:

۱- سود:

صورت ۱ میں اصل اداشدہ رقم سے زائد (مقررہ شرح سے) جو رقم ملتی ہے۔ وہ سود ہے۔ سود کا نام بونس رکھ لینے سے اس کی حرمت میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔

۲- جوّا، قمار:

صورت ۲ کے مطابق جو شخص ایک دو اقساط ادا کرنے کے بعد مر جاتا ہے تو اسے اس کی ادا کردہ رقم سے کئی گنا زائد رقم مل جاتی ہے۔ جو قمار یا جوئے سے مشابہت رکھتی ہے تھوڑی سی محنت پر اتفاقی طور پر بہت زیادہ رقم مل جانے کو ہی قمار کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے قمار یا جوئے کے لیے "مَیْسِرْ" کا لفظ استعمال کیا ہے جو بالکل یہی مفہوم ادا کرتا ہے۔ اور اسے حرام قرار دیا ہے۔

۳- بیع غرر یا دھوکے کا سودا:

بیع غرر یہ ہے کہ عوضین میں سے کسی ایک عوض کی مقدار یا صفت یا مدت معلوم نہ ہو۔ عوضین میں کوئی خاص چیز اور اس کی قیمت شامل ہیں۔ مثلاً ایک کیلو چاول ۶ روپے کے ملتے ہیں۔ تو یہ ایک کیلو چاول اور ۶ روپے دونوں چیزیں ایک دوسرے کا عوض ہیں۔ اور بیع غرر کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی ایک غوطہ زن سے یہ طے کرتا ہے کہ مثلاً سو روپے لے لو اور اس غوطہ کے نتیجہ میں جو مال (صدف یا موتی وغیرہ) ہاتھ آجائیں وہ میرا ہوگا۔ ایسی سودا بازی حرام ہے۔ کیوں کہ ایک عوض سو روپے تو متعین ہیں۔ لیکن دوسری طرف کوئی مقدار متعین نہیں۔ اب بیمہ پالیسی کی صورت میں ایک عوض تو درکنار دونوں عوض (یا عوضین) ہی غیر متعین ہوتے ہیں۔ نہ تو بیمہ دار کو معاہدہ کرتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی اقساط ادا کرسکے گا۔ اور نہ ہی بیمہ کمپنی کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کیا وصول کرسکے گی، اور اسے کیا کچھ ادائیگی کرنا پڑیگی۔ لہٰذا اس کی حرمت میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے؟

۴- بیع اضطرار:

یعنی "مجبوری کی سودا بازی" بھی شریعت نے حرام قرار دی ہے۔ بیمے کی شرط یا صورت ۳ میں اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی بنا پر آئندہ اقساط ادا کرنے کے قابل نہیں رہا اور پالیسی ختم کرنے پر مجبور ہے تو بیمہ کمپنی اس کی اداشدہ رقم کا ۴۰٪ بحق خود ضبط کرکے بقایا رقم اسے

ادا کرتی ہے۔ شریعت اس رقم کو قطعاً ضبط کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور یہ تجارت کے متعلق قرآن کے حکم "عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اب بیع غرر اور بیع مضطر کے متعلق ارشاداتِ نبوی بھی ملاحظہ فرمائیے:

"عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ قَبْلَ اَنْ تُدْرَكَ" (ابوداؤد)

"حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاچاری کی سودے بازی اور دھوکے کی بیع اور پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی سودابازی سے منع فرمایا ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

"عَنْ اَبِي حَرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلَا لَا تَظْلِمُوْا: اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ۔"

"ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار مت ظلم کرو۔ خبردار کسی شخص کا مال دوسرے کے لیے اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔"

اب تبلائیے کسی مجبور شخص کی ۶۰٪ رقم بحق کمپنی ضبط ہو جائے۔ تو کیا وہ اسے برضا ورغبت گوارا کرلے گا۔ اور اس کا یہ ضبط شدہ مال کمپنی کے لیے کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟

۵۔ احکام وراثت پر اثر اندازی:

بیمہ پالیسی شرعی وارثوں کو محروم الارث قرار دینے میں بہت حد تک اثر انداز ہوتی ہے مثلاً ایک شخص معاہدہ بیمہ کی رُو سے اپنی بیوی یا بیٹے کو اپنا وارث نامزد کرتا ہے تو کمپنی اسی خاص آدمی کو رقم حوالے کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ جب کہ عام حالات میں اگر کوئی شخص ایسی غلط وصیت کر بھی جائے تو وہ شرعاً اور قانوناً غیر مؤثر ہوتی ہے، غلط قسم کی وصیت بجائے خود ایک گناہ ہے۔ پھر اسے جب معاہدہ بیمہ کی پُشت پناہی بھی حاصل ہو جائے تو باقی وارثان بس منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ بیمہ کمپنی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح جہاں قرآن کے واضح احکام دھرے کے دھرے رہ جاتے

ہیں۔ وہاں نامزد وارث دوسرے وارثوں کا حقِ وراثت غصب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

۶۔ قتلِ ناحق :

ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ نامزد وارث، بیمہ دار کو، محض حصولِ زر کی خاطر، کسی حیلے بہانے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ اسے یہ تو پہلے ہی یقین ہوتا ہے کہ دوسرے وارث اس رقم سے نہ حصہ بانٹ سکتے ہیں، نہ اس کا عدالت میں بال بیکا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ "یقین دہانی" اسے قتل جیسے جرم کے ارتکاب پر دلیر بنا دیتی ہے۔ املاک کے بیمہ دار اپنی املاک کو اپنے ہاتھوں تلف کرتے دیکھے گئے ہیں۔ ایسی ہی صورت بیمے کی دوسری شکلوں میں بھی ہے۔

ایسے واضح شواہد کے علی الرغم اگر کچھ "علمائے حق" بیمہ کے جواز کا فتویٰ دے دیں۔ تو ان کی بے خبری کا ماتم کرنے کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

بیمہ پالیسی کے مزعومہ فوائد :

اب ہم ان مزعومہ فوائد کا ذکر کریں گے۔ جن کا پرچار کر کے بیمہ کمپنیاں عوام کو اس دامِ تزویر میں پھانسنے اور بعض سادہ لوح علماء سے فتویٰ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اور جنہیں سماجی تحفظ کے نام پر مقبول بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ مزعومہ فوائد درج ذیل ہیں :

۱۔ اس صورت میں ایک شخص کی رقم آسانی سے اقساط میں جمع ہوتی رہتی ہے جو ایک طویل مدت معینہ کے بعد منافع سمیت اسے واپس مل جاتی ہے۔ گویا سرمایہ بھی محفوظ رہتا ہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ حوادث کی صورت میں نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

۳۔ متوفی کا بڑا بیٹا اگر خودسر ہو تو وہ جائز وارثوں یعنی ماں اور اپنے چھوٹے بھائیوں کا حق غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ بیمہ کمپنی متوفی کی آرزو کے مطابق اس نامزد وارث یا وارثوں کو یہ رقم ادا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی نہیں رکھتا "ذمہ داری" کے بیمہ کی صورت میں بیمہ کمپنی ایسی اولاد کی اعلیٰ تعلیم اور شادیوں کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے۔

۴۔ ایک غریب آدمی کے لیے عام حالات میں کچھ رقم پس انداز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بیمہ

پالیسی کی صورت میں تھوڑی تھوڑی جمع شدہ رقم یتیموں اور بیواؤں کا سہارا بنتی اور آڑے وقت میں ان کے کام آتی ہے۔

مذکورہ "فوائد" کا متبادل شرعی حل

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا تمام تر صورتِ احوال سرمایہ دارانہ نظام اور ذہنیت کی پیداوار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ایک مخصوص ذہن عطا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص محض اپنا ہی فائدہ سوچتا ہے اور یہ بات اسلامی نظامِ معیشت کے سراسر منافی ہے۔ جس کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ"

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

لہٰذا اسلامی نظامِ معیشت میں ان مندرجہ بالا صورتوں میں سے کچھ تو پیدا ہی نہیں ہوتیں اور اگر کچھ ہوتی ہیں۔ تو ان کا واضح حل موجود ہے۔ اب ہم علی الترتیب مذکورہ بالا "فوائد" کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

(۱) اصل بمعہ منافع :

جہاں تک سرمایہ کے جمع ہونے، اس کے تحفظ اور اس میں اضافے کا تعلق ہے تو یہ کاروبار تجارت یا مضاربت کی صورت میں، بیمہ یا بینک سے بہتر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تو واضح بات ہے کہ تجارت میں منافع سود سے زیادہ ہوتا ہے، ورنہ دنیا سے کاروبار مفقود ہو جاتا۔ سود پر رقوم لینے والے بنک اور بیمہ کمپنیاں بھی بالآخر کاروبار ہی کرتے ہیں یا کاروبار کرنے والے حضرات کو زیادہ شرح پر رقوم مہیا کرتے ہیں۔ گویا ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ کاروبار سود کے بجائے تجارتی بنیادوں پر ہو۔ چاہے یہ کاروباری ادارے بنک ہوں یا بیمہ کمپنیاں یا مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں یا دوسرے نجی ادارے۔ یعنی اصل مسئلہ ان اداروں کو سود سے پاک کرنے کا ہے نہ کہ عوام کو سودی کاروبار میں پھنسانے کا۔ یہ مسئلہ فی الحقیقت تو حکومت کی توجہ کا طالب ہے۔ تاہم اگر یہ ادارے چاہیں تو خود بھی اپنا کاروبار شرعی تجارت کے خطوط پر چلا سکتے ہیں۔ اور ایسے اداروں کی نشان دہی بھی کی جا سکتی ہے جو بلا سود تجارتی کاروبار کرتے، لوگوں سے ان کی بچتیں وصول کرتے اور انہیں نفع تقسیم کرتے ہیں۔ ایسے ادارو ں

میں رقوم جمع کرانے سے جہاں مطلوبہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں سود کی کسک سے انسان کو نجات مل جاتی ہے اور وہ حلال کمائی پر مطمئن بھی ہوتا ہے۔

۲۔ حوادث کے موقع پر نقصان کی تلافی:

اسلامی نظام معیشت میں ایسی صورتوں میں حسبِ ضرورت بیت المال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور بیت المال کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مجبور و مضطر شخص کو مناسب امداد فراہم کرے۔ لیکن ہمیں اسے نظام اسلامی کے قیام تک معلّق نہیں رکھنا چاہیئے کہ کب بیت المال قائم ہو اور اس مسئلے کا متبادل حل سامنے آئے۔ موجودہ دَور میں اس کا حل وہی ہے۔ جہاں سے بیمہ کی ابتدا ہوئی تھی۔ یعنی لوگوں کو خود خالص امداد باہمی کی بنیاد پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔ مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالکان ایک ایسی انجمن بنائیں جس میں وہ ماہانہ چندہ اور عطیات ادا کریں۔ اس جمع شدہ رقم کو تجارت پر لگائیں اور منافع تقسیم کرنے کے بجائے یہ حوادث کی تلافی کے لیے مخصوص کر دی جائے۔ بلکہ حسبِ ضرورت اصل سرمائے سے بھی رقم ادا کی جا سکتی ہے۔ کسی بس یا ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہو جائے یا جانی نقصان کی وجہ سے کچھ معاوضہ ادا کرنا پڑے تو اس فنڈ سے ادا کر دیا جائے۔ اس طرح اصل سرمایہ بھی محفوظ رہے گا اور منافع کی رقم سے جو دوسرے مصیبت زدہ بھائی کی امداد اور ہمدردی بھی ہو جائے گی۔ تو اس کا بھی بالواسطہ ہر ایک کو فائدہ ہے۔ اگر کچھ عرصہ تک کوئی حادثہ پیش ہی نہ آئے تو منافع کی رقم آپس میں تقسیم بھی کی جا سکتی ہے۔

یہ طریقہ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اندریں صورت حوادث پر کنٹرول کرنے کی فکر حکومت کے بجائے خود انجمن کو ہوگی۔ وہ خود حکومت کو ایسی تجاویز پیش کرے گی جس سے حوادث کم سے کم رونما ہوں۔ جب کہ بیمے کی صورت میں قطعاً یہ احتیاط نہیں کی جاتی۔ بلکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے، بعض اوقات مالکان خود اپنی املاک تلف کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تاکہ بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کر سکیں۔ رہا قانونی گرفت کا سوال تو اس سے بچنے کی راہیں ملک کے نرم قوانین اور پھر وکلاء کی موشگافیوں نے بہت حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔

ایسی انجمنیں یا کمپنیاں جتنی زیادہ ہوں گی اتنا ہی معاشرہ کی فلاح کے لیے بہتر ہوگا۔ کسی مارکیٹ کے تاجر مل کر ایسی انجمن کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ دوکانوں کو بھی بعض دفعہ آگ لگ جاتی ہے کہیں ڈاکہ پڑ جاتا ہے تو ایسی صورت میں انجمن کے فنڈ سے تلافی کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح

محنت کار، کسان اور دوسرے کاروباری طبقے اور پیشہ ور اپنے کاروباری اشتراک کو ملحوظ رکھ کر ایسی انجمن بنا سکتے ہیں۔

ہمارے خیال میں حکومت کو خود بھی اس طرف توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ بس اور ٹرک مالکان کی انجمن بننے سے ٹریفک کے حادثات میں خاطر خواہ کمی واقع ہو سکتی ہے اور عوام کو ٹریفک پولیس کی رشوت اور چالان سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری صورتوں میں حکومت کی ذمہ داریاں کم ہو کر عوام پر آپڑتی ہیں۔ لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ وہ ایسی انجمنیں بنانے کے قوانین بنائے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بھی یہ اقدام بہت مستحسن ہے۔

۳۔ متروکہ اموال میں گڑبڑ :

اب رہا یہ سوال کہ اگر بڑا بیٹا یا خلفِ اکبر خودسر ہو اور وہ چھوٹے بہن بھائیوں یا والدہ کے حقوق کا خیال نہ رکھے اور متروکہ اموال سے خود ہی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ ایسی صورت نہیں جس کا بیمہ کمپنی کے سوا کوئی حل نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ میں اس کے متبادل "وصیت" کا انتظام موجود ہے۔ اگر فی الواقع ایسا خطرہ ہو تو متوفی اپنی برادری کے کسی قابلِ اعتماد اور دیانت دار آدمی کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر برادری میں ایسا آدمی نہ ملے تو کسی بھی معروف اور امین آدمی کو وصی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگر مرنے والا خود کسی وجہ سے وصی مقرر نہیں کر سکا یا اُسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تو حاکم وقت یا اس کے کسی بھی نائب کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ وصی مقرر کرے۔

وصی کے باضابطہ فرائض ہیں اور وہ ان کے لیے جواب دہ ہے۔ وصی کے فرائض یہ ہیں کہ وہ :

(۱) ترکے کو حسبِ دستور شریعت ورثاء میں تقسیم کرے۔

(۲) اگر بچے چھوٹے، بے سمجھ، نادان یا عیاش ہیں تو وہ ترکے کی رقم اپنے پاس بطور امانت محفوظ رکھے یا بیت المال میں جمع کرا دے۔ پھر اس میں ان ورثاء کی جائز ضروریات پر خرچ کرے۔

(۳) اگر وصی خود تنگ دست ہے تو وہ اس نگہداشت کا حق المحنت مناسب طور پر لے سکتا ہے۔ اور اگر خوش حال ہے تو یہ محنت اسے محض ہمدردی کے طور پر کرنا ہوگی۔

(۴) جب بچے بڑے اور سمجھ دار ہو جائیں، یا راہ راست پر آجائیں تو ان کا حق ان کے حوالے

کر دیا جائے۔

گویا وصیت کے نظام میں "ذمہ داریوں کے بیمے" کا مکمل حل موجود ہے۔

"وصایا" کے نظام پر عہد نبوی اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں برابر عمل ہوتا رہا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ حضرت زبیرؓ بن العوام اس "بارِ وصایت" کے اٹھانے میں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ سات جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔

۴۔ پس ماندگان کی امداد:

بیمہ کمپنی صرف ایسے یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرتی ہے۔ جن کے باپ یا شوہر نے تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کر کے بیمہ کمپنی کے ہاں جمع کرائی ہے۔ اور جو بے چارہ کچھ جمع نہیں کرا سکا۔ بیمہ کمپنی کو اس کی مفلوک الحالی سے چنداں غرض نہیں ہوتی۔ جب کہ بیت المال ایسے لوگوں کو ہی اصل حق دارِ امداد تصور کرتا ہے جو کچھ بھی پس انداز نہ کر سکے ہوں۔ بیمہ کمپنی آج کل محض ایک کاروباری ادارہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ جب کہ بیت المال ہر وقت مفلوک الحال لوگوں کی پشت پناہی پر مستعد ہوتا ہے۔ اور ایک خیراتی ادارہ ہے۔ موجودہ دَور میں اس کا حل یہ ہے کہ کاروباری انجمنوں کی طرز پر مختلف برادریاں بھی اپنی اپنی انجمنیں بنائیں۔ مثلاً مستری اپنی انجمن تشکیل دیں، باربر یا حجام اپنی اور لوہار اپنی وغیرہ۔ یہ لوگ اپنے حلقہ انجمن کو وسیع سے وسیع تر اور محدود سے محدود تر کر سکتے ہیں، اور ایسی انجمنوں سے پس ماندگان کی وقتی امداد کے علاوہ اور بھی کئی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ باہمی تعاون اور ہمدردی کی بنا پر قائم ہوتی ہیں۔ مثلاً یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے روزگار کا خیال رکھنا اور ان کی شادی کا انتظام وغیرہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے فوائد بیمہ کمپنی سے کسی صورت میں میسر نہیں آ سکتے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب!